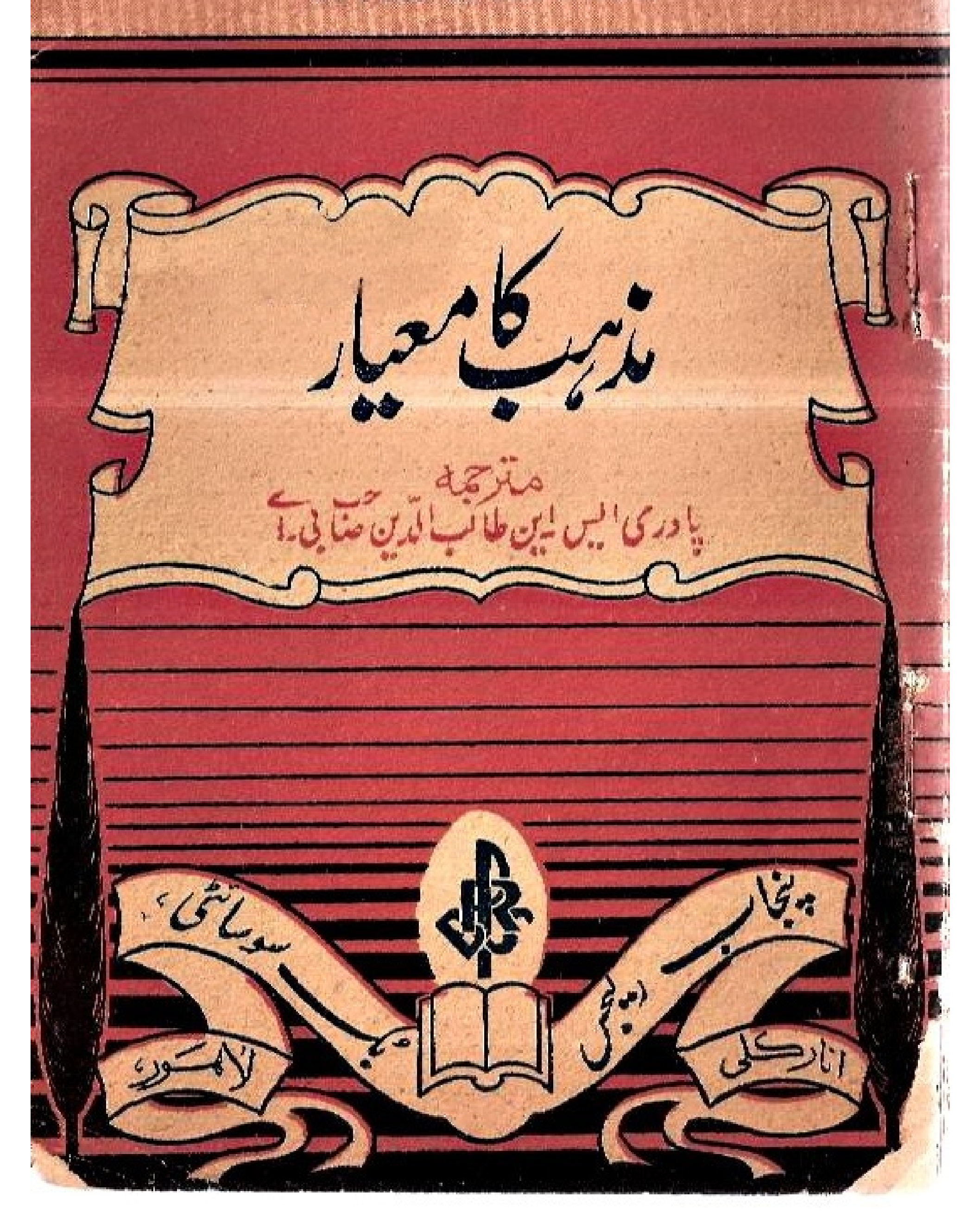
WOODBROOKE SERIES

WHAT IS THE TEST OF RELIGION?

BY PROF. L. LEVONIAN.



May God in Jesus Christ pour out his abundant mercies upon you all.
Yours in Christ,
Evg. Yousaf Masih (founder)
Rev. Michael Joseph...cscentrkr@gmail.com
Evg. Joy Jacob ...adrxdesigner@gmail.com

مذہب کا معیار

درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح مذہب بھی اپنے اخلاقی اثر سے جانا جاتا ہے۔ یہ اصول تو بالکل واضح ہے۔ مگر اس سے یہ اساسی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مذہب کو اخلاق سے کچھ واسطہ ہے۔ کیا مذہب کی روح میں اخلاق کا عنصر پایا جاتا ہے۔ یا مذہب اخلاق سے بالکل الگ اور بے تعلق ہے۔ مذہب کی حقیقی کسوٹی قائم کرنے سے پہلے اس سوال پر بحث لازم ہے۔

اِخلاق کا وجود مذہب سے ہے

بعض علمائے عمرانیات نے مذہب میں اخلاق کے وجود کا انکار کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ہم نے وحشی اقوام میں مذہب کی مبادیات کا امتحان کیا ہے اور اس کی تہ میں ہم نے یہ دیکھا ہے کہ اخلاقیات کا عمرانیات سے علیحدہ وجود نہیں اور ضمیر میں اخلاق کا شعور مذہب کے وجود سے نہیں آیا۔ اخلاق مذہب کے خمیر یا تار و پود میں نہیں۔ اخلاق مذہب کا شاخسانہ ہے۔ ضمیمہ ہے۔

مثال۔ امریکہ کا مشہور ماہرِ عمرانیات پروفیسر ایملس مذہب کی یوں تعریف کرتا ہے کہ مذہب بلند ترین سماجی اقدار کا نام ہے۔ نیز وہ

کہتا ہے کہ لفظ اخلاق کے مفہوم میں وہ تصورات موجود ہیں۔ جن کا تعلق انسانی سوسائٹی کی فلاح و بہبود سے ہے۔

ملک بلجیم کا عالم عمرانیات مسٹر ورخیم بھی پروفیسر ایلیس کا ہم خیال ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سوسائٹی ہی لازمی مذہبی حقیقت ہے۔ اس پر استدلال کرنے سے مذہب سوسائٹی کی پیداوار ثابت ہوتا ہے۔ بعض لوگ چائے میں زیادہ میٹھا ڈال کر پینے کے عادی ہیں اور بعض کم۔ اس کا دارومدار عادت پہ اور سماجی دستورات پہ ہے۔ یہی حال ضمیر کا ہے۔ یعنی جس طرح ماحول سے عادت بنتی ہے۔ اسی طرح ماحول سے ضمیر کی پرورش ہوتی ہے۔

ایک مشہور انگریز مصنف بنام برٹرینڈ رسل BERTREND RUSEL ان دونوں سے آگے نکل گیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ تباہ کن طاقتوں سے جو خوف پیدا ہوتا ہے۔ اس کو دبانے کی کوششوں کا نام مذہب ہے۔ اس سے تو یہ مراد ہے کہ مذہب کی تہ میں خوف ہے۔ یعنی ہم مذہب کو اس لئے مانتے ہیں کہ ہمارے اندر خوف ہے اور ہمارے اخلاقی معیار اسی خوف سے پیدا ہوتے ہیں ؛

یہ ہیں ماہر عمرانیات کی لن ترانیاں۔ جن سے وہ مذہب اور حاسہ اخلاق کی تشریح کرتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے کہ اخلاق محض سماجی دستورات کا مجموعہ ہے۔ اور کیا مذہب سماج سے پیدا ہوتا ہے۔ کیا مذہب کی تہ میں کچھ سوسائٹی سے برتر اور افضل نہیں۔ اور کیا ہماری ضمیر کا محرک سماجی دستورات سے بڑھ کر کوئی امر نہیں۔

مذہب کے ماخذ پر اخفا کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ مگر یہ امر بدیہی ہے کہ مذہب کی بنیاد شعور اور احساس قدوس پر ہے۔ اس شعور میں ایک

مستقل عنصر موجود ہے۔ اُس عنصر کا نام "حق" ہے جس سے یہ مُراد ہے کہ کوئی شے ہے جس میں قدرِ مطلق موجود ہے جس کی بناء پر اُس کو احترام کا مطلق حق اور طرزِ زندگی پر مطلق اختیار حاصل ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ بہت سے امور جن کو انسان متبرک کہتا ہے، وہ اپنے اندر وہم پرستی رکھتے ہیں۔ مگر متبرک کا کچھ ایسا مفہوم ہے جس میں "حکمرانی" اور قطعیت شامل ہے۔ مثلاً پولی نیشیا کے مذہب کو لیجئے اس میں کلام نہیں کہ پولی نیشیا کے وحشی جسے مانا کہتے ہیں کوئی بھی اخلاقی صفت نہیں تاہم مانا کی موجودگی دستورات کی تقدیس کرتی ہے۔ اور اخلاق کو ترقی دیتی ہے۔ اس طرح ان وحشیوں کے دستورات میں اخلاق کو دخل ہے جہاں متبرک کا تصور پایا جاتا ہے وہاں اخلاق کا عنصر بھی موجود ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو جس شے کو یہ متبرک کہتے ہیں وہ جادو اور ٹوٹکے سے بڑھ کر ثابت نہ ہو۔ پروفیسر میرٹ (MERRETT) صاحب جو انسانیت کے ماہر ہیں اس کی تائید و تصدیق یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ قدیم مذہب میں اخلاقی رنگ اس کا ضروری اور لابدی عنصر ہے۔

مذہب ابتدائی حالت میں ایک بیج کی طرح ہے۔ بیج میں پھول اور پھل کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ مگر پھول اور پھل اس بیج میں بالقوہ موجود ہوتے ہیں اور ان کے ظہور کے لئے بیج کے درخت بننے اور کلیاں لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی حال اخلاقیات کا ہے اخلاق مذہب میں بالقوہ موجود ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض مذہب جن کا مکمل نشوونما ہو چکا ہے اخلاق کو مرکزی حیثیت دیتا

علمائے نفسیات کا ایک فریق گروہ مذہب کو شک کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے

کہ اخلاق کسی حقیقت مستقلہ کا نام نہیں بلکہ طرزِ زندگی کا دارومدار ہمارے حواس کے محرکات پر ہے۔ یہ لوگ ضمیر کی قوت کے بھی قائل نہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ خاص قسم کا طرزِ زندگی جو ہم کو ورثہ میں ملتا ہے یا جو ہم کوشش سے بنا لیتے ہیں۔ اسی کا نام ضمیر ہے۔ اسی طرح اخلاق کی حیثیت پہننے کے پارچات سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی جس طرح لباس فیشن اور موقعہ کے لحاظ سے پہنا جاتا ہے۔ اسی طرح اخلاق بھی حالات اور دستورات زمانہ پر دارومدار رکھتا ہے۔

نفسیات کے ایک عالم میکڈوگل کہتے ہیں کہ جبلتیں ہمارے طرزِ زندگی کی ابتدائی محرک ہوتی ہیں۔ اور ان کے عمل سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ضمیر یا عقل اُن میں بال برابر تبدیلی نہیں کر سکتے۔ ہم ہمیشہ جبلت کی تحریک پر حرکت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ضمیر کو کچھ نہیں گردانتے۔

برٹرینڈ رسل صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کے کل اخلاقی مقاصد اور محرکات انسان کے اندر ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اخلاقیات لازمی طور پر انسان کی مدنی جبلت یعنی مل جل کر زندگی بسر کرنے کی قدرتی استعداد سے پیدا ہوتی ہے۔ انسانوں کا عام نظریہ ہے کہ ہمارے ساتھی یا ہمارے ہم خیال ہی حق پر ہیں۔ اور معقول انسان ہیں۔ باقی سب نامعقول ہیں اسی طرح تمام اخلاقی فیصلے اضافی ہیں کسی فعل یا حرکت کا اچھا یا بُرا ہونا حالات پر دارومدار رکھتا ہے۔ مگر اس نظریہ میں ایک بھاری غلطی یہ ہے کہ یہ نظریہ اخلاقی معیاروں اور ضمیر میں امتیاز نہیں کرتا بلکہ دونوں کو گڈمڈ کر دیتا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ انسان کی ضمیر کے فیصلوں کا دارومدار اپنے زمانہ کی اخلاقی فضا پر ہوتا ہے۔ مگر ہم ضمیر کی استعداد کا

کو نظرانداز نہیں کرسکتے مناسب اور نامناسب کا سوال انسان کے سامنے ہر زمانہ میں رہا ہے۔ انسان میں مناسب اور نامناسب کا شعور کہاں سے آیا۔ کیا اس کا یہ جواب دیں کہ حاسۂ اخلاق غیر اخلاقی عناصر سے پیدا ہوا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اخلاقی اعتبار سے انسان ایک چنچل ہستی ہے اور یہ ایک اساسی نفسیاتی مسئلہ ہے جس کا حل لازمی ہے۔ ذیل میں امریکہ کے ایک مایۂ ناز ماہرِ نفسیات بنام رافئیس جونز (RAFIAS JONES) کا قول درج ہے :۔

"عمرانیات کا کوئی نظریۂ ضمیر کے ماخذ اور اس کی قوت کا بھید نہیں بتا سکتا اگر اخلاقی ذمہ داریاں انسان کے بچے کی روح میں مضمر نہ ہوں۔ تو کوئی بیرونی طاقت بچے کو ان ذمہ داریوں کا سبق نہیں دے سکتی ۔ مناسب اور نامناسب کا امتیاز جو ازل سے چلا آرہا ہے اور ذمہ داری کا احساس جو انسان میں پایا جاتا ہے ان کی تشریح علم الحیات کے نظریوں سے اور سماجی ماحول کی روشنی میں نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ یہ سچ ہے کہ انسان کی زندگی اور سیرت پر اس کے سماج کی مہر ثبت ہوتی ہے مگر حقیقت حقیقت ہی ہے۔"

معیاری اقدار مثلاً راستی پر بھروسہ رکھنا اور اخلاقی امور کے لئے اپنے آپ کو وقف اور مخصوص کرنا۔ خود غرضی اور حرص سے پیدا نہیں ہو سکتے۔ یہ بنیادی چیزیں ہیں اور انسان اکثر اپنے فرائض کو انجام دینے کے لئے اپنی ذاتی اغراض کے خلاف کام کرتا ہے۔ یہ پاکیزہ اقدار ہمارے پیدا کئے ہوئے نہیں ہوتے ان کا تعلق نظامِ عالم سے ہے اخلاقی حاسہ

تکوینِ عالم کا عنصر ہے۔ اور کائنات کی ازلی فطرت یا طبیعت اِس کی پشتی کرتی ہے"+

ذیل میں ایک اقتباس اِس زمانہ کے شہرہ آفاق عالم طبعیات سر آرتھر ایڈنگٹن (SIR ARTHUR EDDINGTON) کا پیش کردہ ہے

"جب ہم رُوح اور نفس یا من (Mind) کے عالم میں داخل ہوتے ہیں تو نمایاں فرق جو ہم پاتے ہیں وہ لفظ چاہیئے پر مرکوز ہوتا ہے"۔ جسمانی دُنیا میں جو کچھ ایک وجود کرتا ہے اور جو کچھ اُسے کرنا چاہیئے۔ بلا اشتباہ ایک ہیں۔ مگر رُوح کی دُنیا میں وہ ایک ہی نہیں۔ بلکہ ان میں بہت فرق ہوتا ہے"۔

چاہیئے۔ کا احساس عالم کے مبداء میں ہے۔ ہم اپنے اندر احساس اور قائلیت پاتے ہیں کہ جب ہم اچھے اور بُرے کا امتیاز اور ذکر کرتے ہیں تو اس میں وہ ازلی فیصلہ اور فتویٰ پنہاں ہوتا ہے اور وہ معیار مخفی ہوتا ہے جو کہ فطرت میں موجود ہے۔ ہماری اخلاقی تمیز اصل الاُصول ہے اس میں اتنی ہی حقیقت اور واقعیت ہے جتنی کہ قانون کشش ثقل میں ہے۔ اگر کوئی آدمی دھوکا بازی کرتا ہے تو وہ اپنے آپ ہی کو فریب دیتا ہے اور اگر کوئی انسان نیک کام کرتا ہے تو وہ اپنی تفضیلت کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں مستثنیات کو قطعاً دخل نہیں۔

ہارورڈ (امریکہ) یونیورسٹی کے پروفیسر ہاکنگ HACKING اپنی تصنیف بنام سرشتِ انسانی اور اس کی تعمیرِ ثانی میں اس کی یوں تشریح کرتے ہیں:۔

"اب ہم کو علم حاصل ہو گیا ہے کہ اچھی زندگی آرزوؤں کے بر آنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ شخصیت کو اطمینان حاصل ہونے سے ہوتی ہے۔ ہم ادنیٰ جذبات سے قوت۔ حرارت اور ہدایت نہیں پا سکتے۔ گو مناسب اور نامناسب یا اچھے اور بُرے کے قدیم تصورات میں تبدیلی ممکن ہے مگر وہ یکسر نہیں بدلتے۔ کوئی نہ کوئی جزو ہے جو متواتر قائم رہتا ہے۔ وہ مُصلح جو یہ کہتا ہے کہ نیکی اور بدی کے قدیم تصورات سراسر بدل جاتے ہیں۔ وُہ ہٹ دھرمی کرتا ہے۔ وُہ جھوٹا ہے اور بے کار ہے"۔

ہاکنگ صاحب کا نظریہ معقول ہے۔ جب ہم بزور تاکید کرتے ہیں کہ انسان کو حق کی تلاش اور پیروی کرنا چاہیئے تو ہم ایک ایسا اُصول پیش کرتے ہیں جس کو انسانی تجربہ میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ نیکی کرنا عمدہ ہے۔ اور مناسب کام کرنا مناسب ہے۔ یہ تجربہ انسان کو زمانۂ قدیم سے حاصل ہے۔ مہذب ملکوں کا یہی تجربہ ہے اور وحشی قبائل کا بھی یہی تجربہ ہے۔ انسانی زندگی کی ہر منزل میں یہ تجربہ تصدیق پاتا ہے۔ ہم اِسے کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ نہ اس سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ اس نے نوعِ انسان پر نہ مٹنے والی حیثیت کی ہے اِس کو دُور کرنے کی کوشش گویا چاند کی آرزو کرنا ہے

(۲)

مذہب کا اِخلاقی پھل اس کی حقیقی پہچان ہے

اگر اخلاق کی اصل مذہب میں ہے تو اس سے دُوسرا نقطہ یہ پیدا

ہوتا ہے۔ کہ اخلاقی پھل مذہب کی صحیح جانچ ہیں۔ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح مذہب کی جانچ وہ پھل ہے جو وہ شخصوں اور جماعتوں کی سیرت میں پیدا کرتا ہے۔ مذہب اس زندگی سے جو اس سے پیدا ہوتی ہے پہچانا جاتا ہے۔ یونان اور روم کے قدیم باشندے بہت مذہب پرست تھے۔ سلطنت روم کے طول اور عرض میں بہت سی زیارت گاہیں اور معبد تھے۔ جو کہ فنِ تعمیر اور نقاشی کے نادر نمونے پیش کرتے تھے۔ تاہم کیمرج کا مشہور مؤرخ لارڈ ایکٹن (ACTON) ان کی نسبت کہتا ہے کہ یونان اور روم نے انسان کی اخلاقی بہتری اور ترقی کو نظر انداز کر کے اُس رُوح پرور اور جان بخش عنصر کو کھو دیا جس پر اقوام کی ترقی اور خوشحالی کا دار و مدار ہے۔ رُوم کی جمہوریت کو کسی دشمن نے تباہ نہیں کیا۔ اُس نے تمام دشمنوں کو مغلوب اور مطیع کر لیا تھا۔ رُوم کی بربادی کا باعث رُوم کی بدی تھی۔ رُومی شہری اپنی قوت اور بالادستی کے نشہ سے مخمور ہو کر عیش و عشرت کے غلام بن گئے تھے۔ رُومیوں نے تو اپنے مذہب سے اخلاق کو نکال کر باہر پھینکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا مذہب اور اخلاق دونوں بگڑ گئے۔ یہ ہے ان وعظیم سلطنتوں پر تاریخ کا فتویٰ۔ قدیم یونان میں پروتاغورث PROTAGORIS اور افلاطون کے نظریات میں اختلاف کی وجہ یہی امر تھا۔ پروتاغورث نے جو شاید اہل سقسطہ میں ممتاز تھا۔ یہ اصول قائم کیا تھا۔ کہ آدمی ہی سب چیزوں کا معیار ہے (افلاطون کہتا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز وہی حقیقت رکھتی ہے جو میری آنکھ دیکھتی ہے بالفاظِ دیگر حقیقتِ مطلق کا انکار کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس اصول کی رُو سے حقیقت کا معیار انسان خود ہے۔ ایک ہی معاملہ میں میری آنکھ کچھ اور

حقیقت دیکھتی ہے اور دُوسرے کی آنکھ کو کچھ اور ہی حقیقت نظر آتی ہے
چُنانچہ پروتاغورث کے اصُول سے یہ مقولہ پیدا ہو سکتا ہے۔

ع۔ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی!

پروتاغورث نے دیوتوں پر ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں کہا ہے کہ میں نہیں جان سکتا کہ دیوتا وجُود رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے یعنی دیوتا مجہُول العلم ہیں۔

پرودی کس (PRODICUS) اس سے بھی آگے نکل گیا اور کہا کہ دیوتا بالکل وجُود نہیں رکھتے اور جن کو ہم دیوتا کہتے ہیں۔ وہ در حقیقت وہ چیزیں ہیں۔ جن کو انسانی تجربہ نے انسانی زندگی کے لئے مفید اور ضروری پایا ہے۔ ہاں انسان نے صرف اتنا کیا ہے کہ ان اشیاء کو اپنے وہم سے صُورت اور شخصیت دے لی ہے چُنانچہ انسان تہذیب کی پہلی منزل میں سُورج اور چاند اور دیگر فائدہ پہنچانے والی اشیاء کو دیوتا تسلیم کرتا تھا۔

کرتی ٹیاس (CRITIAS) نے کہا کہ "دیوتا تو کسی قبل از تاریخ مدبر کی لطیف اختراع ہیں۔ اس مدبر نے سچ کو جھوٹ سے سیاہ کر رکھا ہے"۔ اس موقعہ پر لارڈ ایکٹن فرماتے ہیں کہ پروتاغورث کے شک سے ذرا قدم آگے بڑھایا۔ تو کرتی ٹیاس کے نظریہ سے اس نظریہ تک پہنچ گئے کہ قوانین کا کوئی پس منظر نہیں۔ ہم نے خوب دیکھ لیا ہے کہ اخلاقیات میں نہ تو استقلال ہے۔ نہ ہی اخلاقی زیر باریاں ہیں اہل سفسطہ کے نظریے سے یہ نکتہ ہاتھ لگتا ہے کہ مصلحت بینی ہی سب سے بڑا فرض ہے اور حصُولِ نشاط کے علاوہ انسان کے پاس اور کوئی فضیلت

نہیں۔ اصل خوشی اختیار میں بتائی گئی ہے اور اس کے عدم وجود سے اطاعت کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔

اپی کیورین (EPICURIAN) نے کہا کہ نیکی اور بدی کی اصطلاحات محض رواجی ہیں۔

قدیم یونان کے مذہب میں نیکی اور بدی یا مناسب اور نامناسب کا کوئی مقررہ معیار یا امتیاز نہ تھا۔ چنانچہ یونانیوں کے مذہب میں بدنظمی اور ابتری آ گئی۔ افلاطون نے اس رجعت اور تقہقر کے خلاف احتجاج کیا اور بڑے شدومد کے ساتھ ملامت کی۔ ایسے لوگوں کے متعلق افلاطون نے اپنی کتاب قانون میں کہا ہے "کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ دیوتوں کی الگ ماہیت نہیں ہوتی۔ بلکہ ماہیت کا ظہور فنونِ لطیفہ اور قوانینِ ریاست میں ہے۔ اب یہ دونوں چیزیں سب جگہ یکساں نہیں ہوتیں بلکہ اختلاف رکھتی ہیں۔

بھلامانس یا شریف النفس ہونا طبیعت کے اعتبار سے کچھ اور مفہوم رکھتا ہے اور قانون کی نگاہ میں کچھ اور۔

عدل کے اصول انسان کی طبیعت یا سرشت میں قطعاً نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ انسان بحث اور عقل سے اُن کو بدلتا رہتا ہے۔

یہ دانا ؤں۔ شاعروں اور نیک دل بزرگوں کے مقولے ہیں جو جوانوں کے دل اور دماغ میں پیوست ہو جاتے ہیں اور اس طرح جوان بے دینی میں گرفتار ہو جاتے ہیں"۔

مزید برآں افلاطون نے اپنی تصانیف بنام جمہوریت اور گورجیاس میں "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" اور

"عدل زبردست کا ساتھ دیتا ہے"۔ جیسی ضرب الامثال پر جو اُس کے عہد میں ہر شخص کی زبان پر تھیں بحث کی ہے۔ اُس نے کہا کہ میں چاروں طرف یہی مقولے سُنتا ہُوں۔ ان سے میرے کان بہرے ہو گئے ہیں۔

اُس کے زمانہ میں لوگ یہ رائے رکھتے تھے کہ قانون ایک عارضی معاہدہ ہے جس میں اس کی مزاحمت اور مقابلے کی طاقت ہے۔ وہ اس کی اطاعت اور پابندی سے بری ہے اور صرف جنگ ہی سے انسانوں میں ربط ضبط قائم رہتا ہے۔ جنگ ہی انسانوں کا طبعی رشتہ ہے مگر **افلاطون** نے اس خیال کی دھجیاں اڑائی ہیں۔

ہومر نے کہا تھا کہ دیوتا عیاش۔ حریص۔ منتقم اور جھوٹے ہیں۔ افلاطون نے ہومر کے اس خیال کی تردید کی۔ اور بمصداق جیسا دیوتا ویسا بھگتا یعنی جیسا دیوتوں کا کیریکٹر مانا جائیگا ویسا ہی کیریکٹر نوجوانوں کا بنیگا۔ جو کوئی یہ ایمان رکھیگا کہ دیوتا اور انسان اپنی اپنی غلطیوں پر فخر کرتے ہیں تو وہ ضرور ان کو اپنا نمونہ اور معیار تسلیم کریگا۔

پروتاغورث۔ بمصداق۔ شرم چہ کتی است کہ پیش مردان بیاید تسلیم کرتا تھا۔ کہ شرم وحیا کچھ نہیں صرف انسان کا وہم ہے۔ **افلاطون** نے اس کی تردید کی۔ اور کہا کہ کوئی بے حس انسان شرم وحیا محسوس کرے یا نہ کرے۔ شرمناک حرکت شرمناک ہی ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ نیکی اور بدی میں ایک ازلی امتیاز موجود ہے۔ افلاطون کے نظریہ کی تہ میں یہ اصول ہے کہ آدمی کے لئے خُدا کا صحیح تصوّر ازبس لازمی ہے وہ

بخوبی تائید کرتا ہے کہ مذہب کی تہ میں اخلاق ہے۔
بنی اسرائیل کے انبیاء نے متواتر یہی راگ الاپا ہے۔ عاموس نبی نے سامریہ میں یسعیاہ نبی نے یروشلیم میں اور یرمیاہ نبی نے اسیری سے پیشتر ایک ہی تار پر ضربیں لگائیں۔ انھوں نے کہا کہ مذہب سے اخلاق کو کسی طرح بھی جدا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ہم عاموس کو جو کہ سیدھا سادہ چرواہا تھا۔ اور تقوع میں گولر کے پھل بٹورا کرتا تھا۔ سامریہ کے شاہی معبد کے سامنے کھڑا دیکھتے ہیں اور اس کی للکار سنتے ہیں وہ کہتا ہے:۔

"میں تمہاری عیدوں کو مکروہ جانتا اور ان سے نفرت رکھتا ہوں اور میں تمہاری مقدس محفلوں سے بھی خوش نہ ہوں گا۔ لیکن عدالت کو پانی کی مانند اور صداقت کو بڑی نہر کی مانند جاری رکھو۔ بدی سے عداوت اور نیکی سے محبت رکھو۔ اور پھاٹک میں عدالت کو قائم کرو"۔

ہوسیع نبی کے دل کا درد اس کے ان لفظوں سے ظاہر ہے:۔
"یہوواہ فرماتا ہے کہ میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں۔ اور خداشناسی کو سوختنی قربانیوں سے زیادہ چاہتا ہوں۔ پس تو اپنے خدا کی طرف رجوع لا۔ نیکی اور راستی پر قائم اور ہمیشہ اپنے خدا کا امیدوار رہ"۔

اسی طرح یسعیاہ نبی بھی محبوب تاکستان کا گیت نہایت ترنم اور خوش الحانی سے گاتا ہے:۔

یہوواہ کا تاکستان بنی اسرائیل کا گھرانہ ہے۔ اور بنی یہوداہ اُس کا خوشنما پودا ہے۔ اُس نے انصاف کا انتظار کیا پر خون ریزی دیکھی۔ وہ داد کا منتظر رہا۔ پر فریاد سُنی'' ۔

میکاہ نبی۔ غیر فانی لفظوں میں حقیقی مذہب کا نقشہ یوں کھینچتا ہے:۔

"اَے انسان اس نے تجھ پر نیکی ظاہر کر دی ہے خُداوند تجھ سے اس کے سوا کیا چاہتا ہے۔ کہ تو انصاف کرے اور رحم دلی کو عزیز رکھے اور اپنے خُدا کے حضور فروتنی سے چلے'' ۔

یرمیاہ نبی نے یروشلیم کی ہیکل میں اپنے خطبہ میں فرمایا:۔
"تمہاری سوختنی قربانیاں مجھے پسند نہیں اور تمہارے ذبیحوں سے مجھے خوشی نہیں۔ اپنے ذبیحوں پر اپنی سوختنی قربانیاں بھی بڑھاؤ اور گوشت کھاؤ۔ کیونکہ جس وقت میں تمہارے باپ دادا کو مُلک مصر سے نکال لایا۔ اُن کو سوختنی قربانی اور ذبیحہ کی بابت کچھ نہیں کہا۔ بلکہ میں نے اُن کو یہ حکم دیا اور فرمایا کہ میری آواز کے شنوا ہو اور جس طرح کی میں تم کو ہدایت کروں۔ اس پر چلو تاکہ تمہارا بھلا ہو''۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ انبیاء نے اس حقیقت کی تائید اور تصدیق کی کہ اخلاق اور مذہب کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مگر لوگوں

نے توجہ نہ کی۔ وہ اپنے آپ کو متدین اور مذہب پرست تصور کرتے تھے۔ مگر اخلاق سے لاپرواہ رہتے تھے۔ چنانچہ اس کا انجام ہلاکت اور بربادی ہوا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ یسوع مسیح نے جو کہ انبیاء کے سلسلہ میں تھا بار بار اسی نکتہ پر زور دیا۔ اس موضوع پر پہاڑی وعظ اس کا شاہکار ہے۔ اُس نے کہا:۔

"خبردار! اپنے راستبازی کے کام آدمیوں کو دکھانے کے لئے نہ کرو۔ اگر تو قربان گاہ پر اپنی نذر گذران رہا ہو اور وہاں تجھے یاد آئے کہ تیرے بھائی کو تجھ سے شکایت ہے تو اپنی نذر قربان گاہ پر چھوڑ کر جا۔ پہلے اپنے بھائی سے میل ملاپ کر اور پھر اپنی نذر گذران"۔

مسیح کا نظریہ فریسیوں کے خیال اور عمل سے بالکل مختلف تھا۔ فریسی نذر کو مقدم سمجھتے تھے اور میل ملاپ اور برادرانہ اُلفت کو چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے۔ مسیح کی تعلیم اور روش اس کے بالکل برعکس تھی۔

فریسی ظاہر دار تھے۔ مسیح تزکیہ باطن پر زور دیتا تھا۔ فریسی عمل پر نظر کرتے تھے۔ مسیح نیت کو دیکھتا تھا۔ فریسی شریعت کی لفظی پابندی کرتے تھے۔ اور اسی سے مطمئن رہتے تھے۔ وہ ترکاریوں پر دہ کی لگاتے تھے۔ مگر رحم اور انصاف سے لاپرواہ رہتے تھے۔ مسیح یسوع نے اس قسم کی دینداری پر ملامت کی اور کہا۔ افسوس تم پر۔ تم سفیدی پھری ہوئی قبریں ہو۔ تمہارا ظاہر سفید اور

خوبصورت ہے۔ مگر تمہارے اندر مکروہات کا ذخیرہ ہے۔

یقیناً مذہب کا حقیقی معیار اخلاق ہے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ مذہب اپنے حامیوں پر کس قسم کا اثر ڈالتا ہے۔ چشمہ کا اندازہ اس کے پانی کے ذائقہ سے ہوتا ہے۔ اور درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح مذہب بھی اپنے حامیوں کے کیریکٹر سے جانا جاتا ہے۔

(۳)

دورِ حاضرہ مذہب کا محتاج ہے

مذہب کے بعض نقادوں نے بعض تعلیمات کے مشکوک اور بد اثرات کے پیشِ نظر فتوے دے دیا ہے کہ مذہب غیر مفید اور نقصان دہ ہے۔ لہذا انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ مذہب کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ ایسے لوگ اُن مظالم اور خون ریزیوں کی طرف انگلی اٹھاتے ہیں جو مذہب کے نام پر روا رکھی گئیں۔ وہ مذہب کے خلاف جہاد کرتے اور بغاوت کا جھنڈا بلند کرتے ہیں۔

ہم کیا کہیں۔ کیا مذہب واقعی نقصان دہ ہے یا مذہب اخلاق کے لئے ناگزیر ہے۔

اس سوال کا جواب مذہب کی نوعیت پر مدار رکھتا ہے۔ مذہب اعتقاد کا نام ہے۔ پس اعتقاد اگر شیطان پر ہو تو سیرت میں خباثت اور شیطنت ہو گی۔ اگر اعتقاد ہنومان پر ہو تو اخلاق بھی بندر جیسا ہی ہوگا

پُرانے زمانہ کی ایک کتاب ہے۔ جس کا نام ہے۔ یہوّاہ کی جنگوں کی کتاب۔ جب وہ کتاب لکھی گئی تو لوگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ یہوّاہ جنگ کا دیوتا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہُوا کہ لوگوں میں معرکہ آرائی اور نبرد آزمائی کی طبیعت پیدا ہو گئی اور لوگ ہمسایہ اقوام سے دست و گریبان رہنے لگے۔

مذہب کی بُنیاد متبرک اور قدوس شعور پر ہے۔ مذہب کی طاقت کا راز اسی میں مضمر ہے۔ مذہب بعض چیزوں کو متبرک تسلیم کرتا ہے۔ ان کے تقدس کا قائل ہے اور اُن کو رضائے الٰہی کے عین مطابق جانتا ہے۔ چنانچہ مذہب کے اثر اور نفوذ کا دار و مدار اُن معیاروں اور اُمور پر ہوتا ہے جن کو مقدس اور متبرک تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ دو دھاری تلوار کی طرح مذہب یا تو بدی کے لئے باعث استعمال ہوگا۔ یا نیکی کے لئے ایک زبردست قوت ثابت ہوگا۔ پاک اشیاء اور متبرک اُمور کا ناروا استعمال کیا جاتا ہے تو نتیجہ بدی ہوتا ہے۔ مگر اس کے واجب اور صحیح استعمال سے نیکی پیدا ہوتی ہے۔ اگر پاک اور متبرک کو خارج ہی تصور کیا جائے تو اس سے خوف۔ دُکھ۔ جہالت اور اندوہ و شواش پیدا ہونگے لیکن اگر اس کو باطنی اور رُوحانی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے محبت۔ اطمینان راستبازی اور نیکی ظہور میں آئیگی۔

فریسیوں پر مسیح یسوع کی بحث اور گفتگو سے یہ امر خوب واضح ہے۔ فریسی پاکیزگی کو خارجی اور دُور کی چیز سمجھتے تھے۔ مسیح اس کو باطنی تسلیم کرتا تھا۔ فریسی دستور اور روایت کے پابند تھے۔ مسیح محبت کی

شریعت کا شیدا تھا۔ دونوں کے درمیان کشمکش تھی۔ جس کی انتہا صلیب نظر آتی ہے۔

جب ہم گلگتا پر کھڑے ہو کر واقعات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم دونوں قسم کے مذاہب کو معہ ان کے پھلوں کے پہلو بہ پہلو دیکھتے ہیں ایک طرف فریسیوں کا مذہب ہے۔ جو کہ روایتی اور رواجی ہے۔ اور شریعت کی لفظ بہ لفظ پیروی کرتا ہے۔ مگر راستباز یسوعؑ کو قتل کرتا ہے۔ فریسیوں کا یہ فعل مجذوبانہ تھا۔ پھر ہم یسوعؑ مسیح کے مذہب کو دیکھتے ہیں جو باطنی اور رُوحانی ہے۔ راستبازی کا حامی ہے۔ فضل اور محبت کو شریعت کا صحیح مفہوم تسلیم کرتا ہے اور انجام کا صابر اور شاکر رہ کر دُکھ اُٹھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے مخالفوں اور بدخواہوں کے لئے دُعا کرتا ہے۔

مسیح کا قاتل ایک مذہب تھا۔ لامذہبی نہ تھی۔

جیسا کہ عقیدت مندوں کو مناسب ہے۔ ہم اپنے عمل اور خدمت میں مذہب کو اوّل درجہ دینا چاہتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ سب انسان مذہب کو اپنے کام اور خدمت میں مقدم رکھیں۔ ہم دیندار بننا چاہتے ہیں نیز کہ سب انسان مذہب کو اپنے کام اور خدمت میں مقدم رکھیں۔ ہم دیندار بننا چاہتے ہیں اور دُوسروں کو دیندار بنانا چاہتے ہیں۔ مگر ہمارے کام اور خدمت کی قدر کا دارومدار مذہب کی نوعیت پر ہوگا۔ لازم ہے کہ ہمارا مذہب نیکی۔ راستی اور محبت کا مذہب ہو اور اس کا اثر اور اُس کی قدرت ہمارے کیریکٹر میں نمایاں ہو۔

نیکی - راستی اور محبت ذہنی اور بے وجود نہیں - نیکی کے وجود کا انکار محال ہے نیکی شخصیت کی صفت ہے نیکی اور محبت کا اظہار کسی شخص کی زندگی اور کیرکٹر میں ہوتا ہے -

مسیح یسوع کے اثر اور رسوخ کا یہی راز تھا - مسیح یسوع نے ذہنی اور بے وجود نیکی کا اشتہار نہ دیا بلکہ اُس نے نیکی اپنی زندگی اور اعمال میں دکھائی -

لیکی صاحب (LECKEY) اپنی کتاب تاریخ اخلاقیات یورپ میں مسیح یسوع کے اثر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یسوع مسیح کی مختصر زندگی کے تین سال کے سادہ اور عام فہم بیان نے نوع انسان کو نیا بنانے اور ملائم کرنے میں فلاسفروں کے مقولوں اور اخلاق کے اُستادوں کے پند و نصائح سے بڑھ چڑھ کر کام کیا ہے مسیحی زندگی میں جو کچھ بہترین اور پاکترین ہے - اس کا سرچشمہ یہی سہ سالہ زندگی کا بیان ہے - مذہب کے ہر حقیقی حامل کا یہی عمل اور اثر ہونا چاہئے - ہمارے پیغام میں مذہب کے نظریے نہیں - بلکہ ایک نئی رُوح ہونی چاہئے لفاظی نہیں - بلکہ ایک پاکیزہ سیرت جو ہمیشہ نیکی اور شرافت کی حامی ہو، ہونی چاہئے -

یسوع مسیح نے کہا ہے کہ اپنی روشنی کو آدمیوں کے سامنے چمکنے دو - تاکہ وہ تمہارے نیک کاموں کو دیکھ کر خدا کی تمجید کریں - باعتبار مذہب پرست ہونے کے ہماری سیرت ہی ہمارا طغریٰ ہونی چاہئے -

اس زمانے کی اور اس عہد کے انسانوں کی مقدم ضرورت یہی ہے

ضروری ہے کہ ہم اپنے اعتقادات کی تقدیس و تطہیر کریں اور ہماری سیرت ہمارے اعتقادات کی ترجمانی کرے۔

بعض لوگ یوں سمجھتے کہ جدا جدا کوٹھڑیوں میں زندگی بسر کرتے ہیں ایک کوٹھڑی مذہب پرستی کی ہے۔ اس میں رہتے ہوئے مذہبی اصولوں اور دستوروں پر عمل کرتے ہیں۔ ایک کوٹھڑی کسی اور قسم کے اصولوں اور دستوروں کی ہے اور دونوں ایک دوسری سے فاصلہ پر ہیں بعض اوقات ہم اخلاقی قانون سے لاپرواہ رہتے ہیں۔ مگر اس زعم میں رہتے ہیں کہ ہم مذہب پرست ہیں۔ ایسا عقیدہ محض وہم ہوتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اخلاق کے بغیر ہر قسم کی ترقی ناممکن ہے ضروری ہے کہ زندگی میں مذہب اور اخلاق میں تطبیق اور ہم آہنگی پیدا کی جائے۔

مذہب کی کانٹ چھانٹ کر کے اور غیر ضروری اور بے تعلق امور کو مذہب سے خارج کر کے اُسے زندگی کا اصول بنانا چاہیئے۔ ہمیں اہل کثرت الارباب کی مخالفت میں خدا کی وحدت کی رٹ ہی نہیں لگانا چاہیئے۔ بلکہ اپنے اعمال اور روزمرّہ زندگی سے اس کا ثبوت دینا چاہیئے۔ یہ بے حد ضروری ہے۔

مشرق قریب دُنیا کے بڑے بڑے مذاہب کا گہوارہ رہا ہے یہ مذاہب اسی خاک میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے۔ تاہم اس سرزمین کے رہنے والوں کو اس حقیقت کے علم کی ضرورت ہے کہ مذہب کسی اندرُونی ہیجان کا نام نہیں۔ بلکہ زندگی اور سیرت کا نام مذہب ہے ہمیں قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ ہماری گفتگو میں ہاں کی جگہ ہاں اور نہ کی جگہ نہ ہونا چاہیئے۔ جو کچھ زائد ہے وہ شیطان

کی طرف سے ہے۔

تمہارے پھلوں سے لوگ تمہیں پہچان لیں گے۔ رُوح کا پھل خُوشی۔ اطمینان۔ تحمل۔ نیکی۔ مہربانی۔ وفاداری۔ حلم اور پرہیزگاری ہے۔

افلاطون نے طماؤیس (TIMAEUS) میں یہ درخشاں لفظ کہے ہیں:۔

"میں تمہیں بتانا چاہتا ہُوں کہ خالق نے
یہ دُنیا کیوں بنائی ہے۔ خالق بھلا ہے
اور اُس کو آرزُو ہے۔ کہ تمام اشیاء
حتی الامکان بھلی ہوں۔ جیسے کہ وہ
بھلا ہے"۔

ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ خُدا بھلا اور مہربان ہے۔ اور بھلائی اور محبت اِس کائنات کے دل و جگر میں موجود ہیں۔ پس ہم کو بھی نیک اور مُحب ہونا چاہئے۔

May God in Jesus Christ pour out his abundant mercies upon you all.

Yours in Christ,

Evg. Yousaf Masih (founder)
Rev. Michael Joseph...cscentrkr@gmail.com
Evg. Joy Jacob ...adrxdesigner@gmail.com

پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام پادری آر گرین صاحب سیکرٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی
انارکلی لاہور چھپ کر شائع ہوئی۔

And this is life eternal, that they might know you the only true God, and Jesus Christ, whom you have sent. (John 17:3)

Dear Brothers and Sisters in Christ,

We greet you in the name of our redeemer Lord Jesus Christ,

The religious situation in Pakistan is known to the world, It is the dire need of the day to provide religious plus academic education to all and especially the young generation to face future challenges. We are by God's good grace and providence, in possession of old Urdu Christian literature written by our forefathers and scholars in faith, who were giants in their respective fields and piety, who sought to strengthen the Christian Indo-Pak Church in their respective day through the means of writing theological and apologetical treatises on different religious topics from the viewpoint of Christianity, This literature unfortunately as we know is literally extinct and hard to find anywhere, But we have decided to supply this lack through the means of reprinting these books again in Hard Book format for anybody who is interested in the study and defence of the word of God, This literature is extremely useful for local pastor's and preachers of the native church for expounding the word of God to those who are committed to their care, It is equally true that we are in shortage of resources to get all of the books printed that we currently have, But we will reprint books on demand and will charge an appropriate fee to cover our basic expenses for that particular book or set of books..

For the fulfillment of this divine mission, we most urgently require your cooperation and support especially through your prayers, If in case you happen to have such literature and wish to distribute it to those shepherds in need, you can contact us directly through the mails given below, Your emotional and financial support will make this impossible task possible, We also have our book list of these old books from which you can choose for yourself which book you are looking forward to read.. May God in Jesus Christ pour out his abundant mercies upon you all.

Yours in Christ,

Evg. Yousaf Masih (founder)
Rev. Michael Joseph...cscentrkr@gmail.com
Evg. Joy Jacob ...adrxdesigner@gmail.com